ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور اِستشراقی اَفکار کا مطالعہ

ڈاکٹر محمد اکرم ساجد☆

Abstract:

"Orientalism apparantly a new term, is originally an old one. So many ambiguties absorb in tis choronology. Orientalists do not like to disclose their activities, while one can find them easily. In Islamic cornes there are my controvertial ideas about the orientalists. Some declare them the benefactorers of the Muslims and Islam, the others think they are hypocratas and they dig out the roots of our original sources. As Dr. Muhammad Hameedullah remained in France about an half a country, so has a view point about the orientalists. There are some misunderstandings about the arguments of late Dr. Hameedullah i.e. he opted sometimes, a view of defense and applogy. He had his political, deplomatic and residential perspectives. As a true muslime he cannot conceal or remain terrified in European culture. He served Din-e-Islam with head and heart. He, alongwith, tremendus services, accompanied Frenc and western oriantalists, and openl'y t wrote in the contemporary muslem press."

Key Words: Orientalism, Dr. Hameedullah, misunderstandings, European culture.

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۹ فروری ۱۹۰۸ چہار شنبہ کی رات حیدر آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ء کو بروز منگل جیکس ول فلوریڈا امریکہ میں فوت ہوئے۔آپ کے والد حاجی ابوبکر محمد خلیل اللہ کی آٹھ اولادیں‘ چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔آپ سب سے چھوٹے تھے۔آپ نے مولوی کامل جامعہ نظامیہ حیدر آباد اور ایم۔اے عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد سے ۱۹۳۰ میں کیا۔۱۹۳۰ء میں ہی ایل ایل بی کیا۔۱۹۳۲ میں بون یونیورسٹی جرمنی سے ڈی فل اور ۱۹۳۳ء سے ڈی لیٹ سوربون یونیورسٹی ، پیرس ،فرانس سے کیا۔ ۱۹۳۵ء تک بون، جرمنی میں ریڈر اعزازی قانون رہے اسی سال حیدر آباد واپس آ کر شعبہ علومِ اسلامیہ

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

میں لیکچرر نفسیات ہوئے۔ ستمبر ۱۹۴۸ میں حکومت حیدر آباد کے سرکاری وفد کے ایک ممبر ماہر قانون بین الممالک کی حیثیت سے پریوی کونسل پیرس میں حیدر آباد کا مسئلہ پیش کیا۔ اسی دوران حیدر آباد پر بھارت نے جبراً فوج گردی کرتے ہوئے اس پر قبضہ کرلیا۔ آپ اس کے بعد کبھی بھارت نہیں گئے اور پیرس میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بیس سال نیشنل سینٹر آف سائنٹیفک ریسرچ سے وابستہ رہے اور جرمنی، پیرس اور ترکی کی یونیورسٹیوں میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کی مطبوعہ کتب کی تعداد ۱۷۴ اور مضامین ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ فرانسیسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ ہے۔ جس کے بیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہر ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں ہے۔ پھر فرانسیسی میں سیرت طیبہ پر دو جلدیں شائع کیں۔ آپ کی کتاب Introducation to Islam کا ترجمہ دنیا کی بائیس زبانوں میں ہو چکا ہے۔ آپ نہ صرف علمِ حدیث کے محقق فاضل تھے بلکہ علم وحکم کے پرخلوص پیکر، عاجزی وسادگی کی منہ بولتی تصویر اور علوم اسلامیہ کے بے بدل عالم تھے۔ سترہ پشتوں سے آپ کا خاندان جو کہ سرزمینِ حجاز سے آکر ہندوستان میں آباد ہوا تھا خدمتِ اسلام میں معروف ہے۔ اگرچہ تقسیم ہند کے بعد آپ کے قبیلہ کے کچھ افراد واپس عرب لوٹ گئے۔

آپ کے گھرانے میں علمی شغف کا یہ عالم تھا کہ آپ کے والد اپنی اولاد کو کبھی سکول سے ناغہ نہ کرواتے اگر کبھی بچے جلدی نہ جاگ سکتے اور سکول کا وقت ہو جاتا تو آپ کے والد کپڑے تبدیل کروا کے گھوڑا گاڑی (تانگے) میں لٹا آتے اسی میں پانی ناشتہ رکھ دیا جاتا جب نیند ختم ہوتی تو گھوڑا گاڑی میں ہی ناشتہ کرنا پڑتا۔ اسی تربیت کا اثر تھا کہ آپ نے اپنے والد صاحب کو خبر کئے بغیر ہی انگریزی زبان، میں مہارت حاصل کرلی درجۂ امتیاز میں کامرانی ملی تو والد صاحب نے فرمایا اسی طرح ہمیشہ پڑھو اور آگے بڑھو۔

عظیم جرمن مشرقِ ڈاکٹر کرنکو نے آپ کی ذہانت وقابلیت سے متاثر ہو کر بون آنے کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنا زیرِ ترتیب مقالہ وہاں پیش کریں تو دوسالہ مدتِ تحقیق حذف کر کے ایک سال میں ڈگری دے دی جائے گی۔ داخلہ کے بعد جامعہ عثمانیہ نے وظیفہ وہاں منتقل کر دیا۔ آپ کی غیر معمولی قابلیت کے مدِنظر ایک سالہ قیام کی قید بھی ختم کر دی گئی اور نو ماہ میں ہی ڈگری مل گئی۔

جامعہ بون کے پرنسپل نے جو کہ ترکی زبان کے ماہر تھے آپ کو اپنے مددگار کے طور پر اپنے ہمراہ خدمات دے دیں چونکہ آپ متعدد زبانوں کے ماہر تھے۔ لہٰذا پرنسپل نے آپ کو عربی اور پھر اردو کا اعزازی لیکچرر مقرر کر دیا۔ آپ نے یورپ اور ایشیا کی کئی یونیورسٹیوں میں توسیعی خطبات دیئے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے دور میں کالجوں میں اسلامی تعلیمات کی تدریس منع کر دی گئی تھی۔ آپ نے اسلامی تعلیمات کا احیاء کرتے ہوئے یونیورسٹیوں میں الٰہیات کے شعبے قائم کئے۔ جہاں آج بھی آپ کے شاگرد درس دے رہے ہیں۔

آپ کے والد صاحب کو اسراف ناپسند تھا۔ ابتدائی دور میں گھر کی خواتین کے ہاتھوں سے

سلے ہوئے کپڑے ہی پہن لیا کرتے تھے۔ غذا بہت کم تھی۔ خشک گوشت کے کباب یا تلا ہوا انڈا کھانے کے ساتھ ملا لیتے تھے آلو اور کدو مرغوب تھا۔ اسی تربیت کے دوران حلال چیزوں سے ہٹ کر کچھ کھانا گوارا نہ کیا۔ تصویر بنوانے کے سخت خلاف تھے۔ پاسپورٹ کے لیے مجبوری تصور کرتے۔ اخباروں میں تصویر کے سخت خلاف تھے۔ نام کی شہرت سے چڑ تھی۔ بچوں سے شفقت اور بڑوں کا احترام بچپن سے ہی آپ کی سرشت میں ڈھالا گیا۔

آپ کے قیامِ پیرس کے بارے میں مختلف اندازے لگائے جاتے ہیں۔ بنیادی وجہ یہ ہے کہ مدراس پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد آپ کے بزرگوں نے سوچا کہ اب انہی لوگوں میں تبلیغ دین کی جائے۔ اِسی وجہ سے آپ نے فرانس کو اپنا مسکن بنایا اور ہزاروں فرانسیسوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے آپ کو ہلال پاکستان کا اعلیٰ اعزاز عطا کیا۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کے نمونے پر چل کر اپنی علمی اور عملی زندگی کا نمونہ اپنی ذات کو بنایا۔ حاصل مرادآبادی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

آئینۂ افکار میں یکتا نظر آئے
انسان کے پیکر میں فرشتہ نظر آئے
تقریر سے کرتے ہیں وہ ذہنوں کو اجاگر
تحریر میں اسلام کے شیدا نظر آئے

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی، فرانسی، جرمن اور اطالوی زبانوں کے ماہر تھے۔ آپ کی تصانیف کی ایک مختصر فہرست اس طرح سے ہے۔

۱۔ عہدِ نبوی ﷺ کے میدانِ جنگ، ۲۔ عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ۳۔ عہدِ نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، ۴۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تدوینِ قانونِ اسلامی، ۵۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۶۔ قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں، ۷۔ خطباتِ بہاولپور، ۸۔ ترجمہ مقالات گارساں دتاسی۔

آپ بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ صاف لباس پہنتے تھے۔ استری اور کلف سے گریز کرتے، برہنہ سر نہ رہتے، ہمیشہ باوضو رہتے، ان کی عادات بزرگانِ دین اور صحابہ کرامؓ کا نمونہ تھیں۔ ان کی دید گویا مطالعہ کتاب تھی۔ سرتاپا انہماک، سچے اور علم دوست تھے۔ باعمل، علم وتقویٰ کا پیکر تھے۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ شاہ فیصل ایوارڈ سے معذرت کرلی۔ ہجری ایوارڈ پاکستان کا 1 ملین روپیہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کی لائبریری کو عطیہ کے طور پر دے دیا۔ سیرت ابن اسحٰق پر نقوش ایوارڈ قبول نہ کیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ براہ راست اس ماحول میں رہے جو اسلام کی مخالفت کا مرکز گردانا جاتا ہے۔ اگرچہ آپ کی خدماتِ دین کا دائرہ بڑا وسیع اور متنوع ہے لیکن بعض مقامات پر آپ کی حکمتِ عملی یا اندازِ حیات بغیر غور وفکر کے عام آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ انہوں نے ۴۷ سالہ قیامِ فرانس کے دوران اپنے آپ کو ہمہ وقت، ہمہ جہت، دین کے لیے وقف کئے رکھا۔ کم وبیش ایک ہزار مرد وزن آپ کے ہاتھ

پر ایمان لائے۔ آپ ان کے درمیان رہ کر اُن کو دین کی طرف بلاتے دین سمجھاتے اور خود دین پر عمل کرتے رہے۔ آپ ان کے مدرس، معاون، نکاح خواں مبلغ اور مترجم کے طور پر اپنے فرائض وخوبی سرانجام دیتے رہے۔ اس کی بدولت آج اسلام فرانس کا دوسرا بڑا مذہب ہے جہاں پچاس، ساٹھ لاکھ فرزندان توحید قیام پذیر ہیں۔

استشراق کا مزاج ہے کہ وہ بغض، کینہ پرور، حاسد، سازشی اور عمومی طور پر منافقت اور دوہری پالیسی کا روپ دھارے رہتا ہے۔ آپ نے ایسے خاموشی قرینے اور تبلیغ سے بالواسطہ اور بلاواسطہ اس کا جواب اس قدر عمدگی سے دیا کہ باوجود کہ آپ کے پاس اس ملک کی مستقل قانونی سکونت نہ تھی لیکن کمال دانائی سے آپ یہودیت وعیسائیت کے قلب میں بیٹھ کر نصف صدی ان کی تمام تر قلمی وابلاغی جنگ کا مقابلہ کرتے رہے۔ پڑوس میں ترکی اور اس سے بہت پرے الجزائری مسلمانوں کی تعمیر وتربیت کا فکر بھی آپ کے دامن گیر رہا۔

استشراق کا مطمح نظر ہی ایسی حکمتِ عملی اختیار کرنا ہوتا ہے کہ کتمانِ حق کو یوں خوشنما بنا کر پیش کیا جائے کہ زہر تریاق لگے اور لفظی چکا چوند میں شکار ہونے والا اسے خوشی خوشی امرت اور حیاتِ جاوید سمجھ کر نوش کر لے۔ لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔ آپ نے اسلام کے مزاج کے مطابق آنحضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے عمل سے عملی نمونہ پیش کر کے دھیمے لہجے میں اس کا جواب دیا۔ اعتدال کے ساتھ تمام تر جارحیت کا مقابلہ کیا۔ سائنسی وفنی اور دیگر میدانوں میں ترقی یافتہ ملک میں رہ کر جہاں شباب وکباب کی فراوانی بلکہ منہ کھولے آپ کی منتظر تھی۔ عنفوانِ شباب، باوجود اس کے کہ علمی مشغولیت کی وجہ سے نکاح بھی نہ کر پائے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دینا بڑا جاں گسل کام ہے۔

دوسری طرف آپ نے کمال دانائی و دلیری سے اپنے کام کو جاری وساری رکھا۔ وسیع کتب خانوں میں سے اسلام مخالف مواد کا اس قدر بے باک اور مسکت جواب آپ کا ہی خاصا ہو سکتا ہے۔ استشراق کے طریقہ کار کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ بظاہر یہ لوگ مشرقی علوم وفنون سے دلچسپی رکھنے والے تھے لیکن ان کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنا، اسلام کے قرونِ اولیٰ کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا، دین بارے لوگوں کے ذہنوں میں بدگمانی، شکوک وشبہات اور مایوسی پیدا کرنا خصوصاً پیغمبرِ اسلام بارے طرح طرح کے من گھڑت واقعات منسوب کرنا تھا۔(۱)

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں، صلیبی جنگوں میں شکستِ فاش اور سیاسی میدان میں ناکامی کے بعد سے ہی یورپ کا فکر وفن دوسرے طریقوں سے مسلمانوں سے بدلہ لینے کی تدابیر سوچتا رہا اس مقصد کے لیئے انہوں نے اسلامی عقائد وتعلیمات کو علمی تحقیق کے عنوان سے بحث ونظر اور جرح وتنقید کا نشانہ شروع کر دیا(۲) مستشرقین نے کس عیاری ومکاری کے ساتھ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی کہ بظاہر وہ بڑے محقق اور مخطوطات کی اشاعت کر کے مسلمانوں کے بہی خواہ نظر آئیں۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین اس

بارے میں رقم طراز ہیں۔

اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن کا وہ مطالعہ و تحقیق جس کا آغاز یہودی و عیسائی علماء نے محض میکانکی عمل کے طور پر کیا۔ اس کے پس منظر میں اسلام سے محبت اور اس کی اتباع مقصود نہ تھی نہ ہی وہ اس کی صداقت پر دل سے یقین رکھتے تھے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کی قرونِ وسطیٰ میں عربی، فارسی، ترکی، انڈونیشی، سنسکرت اور چینی وغیرہ زبانوں میں لکھی گئی کتب کا حاشیہ، ترجمہ، اختصاریہ اور اشاریہ تیار کرنا تھا۔ لیکن پھر اپنے نکتہ نظر سے اس کی تشریح کرنا تھا۔ ترجمہ کرتے وقت من مانے معانی پہنانا تھا۔ رہی سہی کسر خود ہی بال کی کھال اتارنے والے سوالات کرنا اور اپنے ہی ٹیڑھے ذہن کے مطابق ان کے جوابات دے کر مسلمانوں کے ایمان میں خلل ڈالنے کی کوشش کرنا تھا۔[۳] مستشرقین درحقیقت اسلامی تعلیمات، تاریخ اور تہذیب کو مسخ کرنے کے درپے، ہیں۔ اس کی جگہ وہ علاقائی تہذیبوں کو اچھالتے اور مردہ زبانوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پروفیسر فلپ۔ کے۔ ہٹی اسی نکتہ نگاہ کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے غزوہ موتہ کا آغاز کر کے عیسائی مسلمان کش مکش کا آغاز کیا۔[۴]

جے۔ جے ساڈرس اور گبن کے علاوہ بہت سے دیگر مستشرقین کا خیال ہے کہ موتہ کی فوجی مہم کا مقصد تھا کہ فلسطین پر حملے کا کوئی بہانہ تلاش کیا جائے۔[۵] اس تمام ترکش مکش کے پیچھے کیا وجوہات اور اسباب کارفرما تھے اس بارے میں پروفیسر ظفر علی قریشی لکھتے ہیں۔ عیسائیوں نے اتنے وسیع علاقے کو اپنے ہاتھ سے نکل جانے کو کبھی بھی دل سے نہیں بھلایا اور نہ ہی مسلمانوں کو معاف کیا۔ بلکہ مغرب والوں کا غیظ و غضب بڑھتا رہا۔ اسپین اور سسلی سے (شروع میں) مسلمانوں کو مکمل طور پر نکالنے میں ناکامی، مغربی شہنشاہیت کے مرکزی علاقوں میں مسلمانوں کا مغرب کے خلاف ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا، مغرب کی غلامی سے آزادی کے لیئے مسلمانوں کی غیر متزلزل، پختہ، ثابت قدم، مسلسل اور کبھی ختم نہ ہونے والی جدوجہد، اہل مشرق سے بدلہ لینے میں اہلِ مغرب کی مایوسی سے بھری ناکامی اور اہلِ مغرب کی اجارہ داری کی ہتھکڑیوں کو اتار پھینکنے کی موجودہ جدوجہد ان سب محرکات نے اہلِ مغرب کے مسلمانوں سے بدلہ لینے کے جذبات کو مزید برانگیختہ کر دیا۔[۶]

میکسیم روڈنسن (۲۰۰۴ء۔۱۹۱۵ء) کے بقول گیام پوسٹل وہ پہلا اصولی مستشرق تھا جس نے استشراق کو منظّم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا، بازنطینی اور لاطینی مصنّفین نے اسلام اور قرآن بارے غلط فہمیاں پیدا کیں۔ ایسے لوگوں میں Peter the Venerable زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ اس کے بعد Pope Urban II نے اسلام کے خلاف جارحیت کا آغاز کیا۔ جین برڈ Genebard کو آنحضور ﷺ سے سب سے بڑا اعتناد یہ تھا کہ قرآنِ پاک عبرانی، یونانی اور لاطینی کی بجائے عربی زبان میں کیوں نازل ہوا؟ میکسیم روڈنسن کے بقول اٹھارہویں صدی میں تحریک استشراق اپنے مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے باوجود اپنی معروضیت سے ہٹ کر آنحضور ﷺ کی تھوڑی تعریف بھی کرنے لگی۔[۷]

محمد صدیق خاں شبلی لکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی دشمنی کا آغاز تو بعثت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اسلام کی فطری تعلیمات کی بدولت بہت سے عیسائی علاقے مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر بہت سے علاقے لوگوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دینے کی خاطر مسلمانوں نے اپنے زیرِ نگین بھی کر لیے تھے۔ صلیبی جنگوں میں ناکام ہو کر محاذِ جنگ کی ناکامی کا بدلہ ان لوگوں نے علمی محاذ کھول کر تحریکِ استشراق کی صورت میں شروع کر دیا۔(۸)

یہود نے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے ایسے مختلف ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جن کا ذکر قرآن پاک نے اس طرح سے کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ۔(۹)

استشراق کے اولین مصنّفین میں سے چند نام یہ ہیں:

Gerbert De Oralia (938-1003A.D)، Constaninus Africanus (D-1087 A.D), Adelard of Bath (1070-1135 A.D) ، John of Demascas (700-754 A.D)، Rojar Bacon، اور Guibert

جان آف دمشق کو تو بازنطینی روایات کا بانی کہا گیا ہے۔ جب سے یورپی طاقتوں ہالینڈ، فرانس اور انگلستان کی حکومتوں نے مستشرقین کو تنخواہ دار کے طور پر ملازم رکھا تو معروف نام یہ تھے۔ پادری ریلو ۱۸۸۰، پادری مارٹن ۱۸۸۰، پادری ابو جی ۱۸۹۵، پادری ڈی کوپر ۱۹۰۴، میکارتھی المونو ۱۹۱۳، زیموفن ۱۹۲۸، مونٹر ڈے ۱۸۸۰ اور ہنری چارلس ۱۹۰۹۔

آج کل وحدتِ ادیان کا بڑا چرچا ہے۔ مسیحیت اور اسلام کی اقدارِ مشترک کا تذکرہ کر کے اس بات کی تبلیغ کی جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی سا بھی مذہب اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں باقاعدہ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اس کام کی باقاعدہ سرپرستی کی جاتی ہے گویا اقتصادی فوائد اٹھانے والے فضلاء اِسے کامیاب پیشے کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کے اسلام کو تو نہیں بدل سکے اہلِ اسلام کو بدل دیں۔ ان کے دل میں ان کے دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیں۔ اسلام کی جدید تعبیر کی جائے۔ اس کے لیے اصلاحِ مذہب کی ایک تحریک چلائی جائے۔ مسلمانوں سے اسلام کا تعلق محض مختصر طور پر رہا، ثابت کیا جائے اور اب یہ تعلق نہیں ہے یا نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اب اسلام سے اپنے آپ کو جوڑنا ترقی سے دور لے جانا ہے۔ اب اسلام بدلے ہوئے حالات کا (معاذ اللہ) ساتھ نہیں دے سکتا۔(۱۰)

مسلمان نوجوان کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ خود کو بدلیں (میڈیا اپنے محاذ پر تبدیلی کا یہ عمل خوب طور پر پورا کر رہا ہے۔ خواہ اخلاقیات کا جنازہ نکل جائے) زمانے کی ترقی کا ساتھ دیں اور اس ترقی کے حصول کے لیے مغرب کی پیروی کریں ان کے تجربات سے مستفید ہوں۔ کیونکہ ان کے تجربات طویل

انسانی تجربوں کا نتیجہ ہیں۔ اور بقول ان کے اسلام کے خرافات واوہام سے نکل کر مغرب کا علمی وسائنسی انداز اپنائیں، اور یہ ترقی دراصل تجدد اور مغربیت ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے خدا کے دین کو روایت پسندی، رجعت پسندی اور دقیانوسیت اور نہ جانے کیا کیا کچھ قرار دیا۔ ان خیالات کو نوجوانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے ہاں ایک ایسا اجتہاد رواج پا گیا جو کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے بالکل بے نیاز ہے۔(۱۱)

استشراقی نکتۂ نگاہ کے مقاصد اس تحقیق سے حاصل شدہ نتائج مختلف ہوتے ہیں جو کہ کسی واقعہ یا شخصیت پر تحقیق کر کے مسلمان حاصل کرتے ہیں۔ مریم جمیلہ لکھتی ہیں۔ مغربی مفکر اور سچے مسلمان کے نکتہ نظر میں سب سے نمایاں فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر اسلام کو محض ماحول کا تشکیل کردہ تاریخی مظہر قرار دیتے ہیں۔ جس میں ہمارے نبی کریم ﷺ سکونت پذیر تھے اس کا ایمان اور اعتقاد یہ ہے کہ ان تاریخ ساز سالوں میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا اس کی نوعیت کائناتی، عالمگیر اور الہامی صداقت کی ہے۔ اور وہ زمان و مکان سے ماوراء قیامت تک کے تمام انسانوں، تمام قوموں اور ملکوں کے لیئے یکساں طور پر واجب العمل ضابطۂ حیات ہے۔ جبکہ استشراق کے دعویٰ دار اُسے محض وقتی طور پر ابھرنے والی تہذیب قرار دیتے ہیں۔ جو اپنے دُنیوی عروج کے زمانہ میں اہم تھی اب اس کی جگہ مغربی تہذیب وثقافت نے لے لی ہے۔ اسلام خدانخواستہ قصۂ پارینہ بن چکا ہے اسے پھر سے رواج نہیں دیا جا سکتا۔(۱۲)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی مستشرقین کے بارے میں اچھی نہیں تھی۔ حافظ فضل الرحمٰن انصاری سے اہلِ مغرب بارے آپ نے ان خیالات کا اظہار فرمایا: ''جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے۔ فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور حقائق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔''(۱۳)

ڈاکٹر حسین ہراوی لکھتے ہیں۔ مجھے یورپ کے قیام کے زمانے میں یورپ کے لوگوں سے بات چیت کر کے معلوم ہوا کہ ابتداء سے ہی ان کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے جہاں شروع دن سے ہی انہیں اسلام سے نفرت اور مسلمانوں کی تحقیر سکھائی جاتی ہے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی طرف نہ مائل ہوں اور نہ ہی ان سے گھل مل کر رہیں۔ لہٰذا وہ سانچے ہی مشرق کے مفاد کے خلاف ہیں جن میں مستشرق ڈھالے جاتے ہیں۔(۱۴)

مستشرقین بارے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا اپنا ایک زاویۂ نگاہ ہے۔ اتنے بڑے عالم پر عام آدمی کی حرفِ زنی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان کو اس خاص ماحول میں رکھ کر سمجھا جائے، پرکھا جائے جس میں آپ رہے۔ وہاں کی جدید ترین ترقی، آپ کا اندازِ حیات، آپ کے زریں کارنامے، ان کی تحریریں پھر ان تحریروں کے عالم انسانی پر عموماً اور عالمِ اسلام اور عالمِ مغرب پر خصوصاً اثرات ان سب کچھ پر بنظرِ غائر ڈالنے سے ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ مستشرقین بارے کس طرح سے سوچتے ہیں۔ ان سے کیا

رویہ رکھنے کے قائل ہیں۔ اولین طور پر ان کا اس خط کا جائزہ لے لیا جائے تو آسانی ہو جائے گی کہ ان کے بارے میں یہ تاثر کیوں پھیلا کہ وہ شائید مستشرقین سے اعراض کرنے کے حق میں ہیں یا معاذ اللہ وہ ان سے ڈرتے ہیں یا ان کا سامنا کرنے سے کنیاتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۹۸۳ء کی اعظم گڑھ بھارت میں منعقدہ استشراقی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تو آپ نے جواب میں لکھا "آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر لیکن مستشرقین کی شکایت کے ادارے سے اس ناچیز کو بالکل اتفاق نہیں، اگر محترم علی میاں نے مجھ سے اس پر پیشگی گفتگو کی ہوتی تو میں ادب سے عرض کرتا کہ ایسا نہ کریں، ان میں سے ہر فرد پیشہ ور عناد اور دشمنی نہیں رکھتا اور جو اِکا دُکا رکھتا ہے۔ وہ اس طرح کی کانفرنسوں اور شکایت ناموں سے شدید تر دشمنی دکھانے لگتا ہے جیسا کی کچھ دنوں سے یہاں نظر آ رہا ہے۔"

"ہم اپنے بچوں کو انہی کے ہاں بھیجتے ہیں اور ان کے پُرزۂ کاغذ (ڈاکٹری کی سند) پر اتراتے ہیں پھر انہی کی شکایت کریں؟ اخلاق تو اس کی اجازت نہیں دیتا وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ان سے توقع کرنا کہ وہ سوفی صد ہماری باتوں کی داد دیں، یہ عبث ہے۔ اُن کے دین اور ان کی دنیا کے متعلق کیا ہم بھی مبالغہ آمیز شکایتیں اور تنقیدیں نہیں کرتے؟"

"میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ وہ عام طور پر عمداً اسلامی چیزوں پر اعتراض نہیں کرتے وہ مخلص ہوتے ہیں یعنی اپنے علم اور اپنی فہم کے مطابق تاثر لیتے اور بناتے ہیں اور گالی گلوچ کے ساتھ نہیں خالص علمی انداز میں ان کی غلطیاں بتائیں تو عام طور پر فوراً مان لیتے ہیں۔ ایک تجربہ عرض کرتا ہوں، شاخت آنجہانی سے آپ ناواقف ہیں، ایک مرتبہ انقرہ میں امام سرخسی کا جشن منایا گیا پہلے شاخت کی تقریر تھی، پھر میری باری آئی۔ انہوں نے اپنی رائے بیان کی اس سے پیشگی واقف ہوئے بغیر میں نے ان چیزوں کی تردید کی، جشن کے صدر نے بعد میں مجھ سے بیان کیا کہ شاخت نے اپنی پڑھی ہوئی تقریر واپس مانگ لی اور بہت سی ترمیموں کے بعد دی کی اب آپ اسے چھاپ سکتے ہیں۔ یہی تجربہ مجھے اٹلی کے سب سے بڑے مستشرق "لیوی ولاویدا" سے رہا، جزیہ اور ذمیوں سے دگنی چنگی کی وجہ سے میری بحث پڑھ کر مجھے خط لکھا، کہ تمہاری ان دلیلوں پر تو کوئی یہودی ربی بھی زبان نہیں کھول سکے گا"۔

"غرض اس ناچیز کی رائے میں ان کی چیزوں کو کھلے دل سے پڑھ کر ان کی غلط فہمیوں کو خاص علمی انداز میں دور کریں ہو سکے تو ان کا نام بھی نہ لے کر، زیرِ بحث مسئلہ کو اس طرح پیش کریں کہ اعتراض خود ہی دور ہو جائے (اور ظاہر ہے کہ یہ چیز محنت چاہتی ہے) تو زیادہ صحیح اور زیادہ مفید ہوگا۔"(۱۵)

یہ وہ بنیادی تحریر ہے جس پر بعض حضرات کو اشکال ہوا ہے کہ شائید ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور مستشرقین اور اہلِ مغرب سے دبتے تھے یا وہ خوف اور ڈر کے ماحول میں رہے کہ ان کے پاس فرانس کی قانونی شہریت نہ تھی اور وہ وہاں پر پناہ گزیں کی حیثیت سے رہتے رہے۔ کانفرنس شرقیات کے دنوں میں

ہی اس خط کے مندرجات پر بڑی لے دے بھی ہوئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارے جو غلط فہمی جناب سید حبیب الحق ندوی کو ہوئی انہوں نے سولہ صفحات پر ڈاکٹر صاحب پر اپنی معروضات پیش کی ہیں۔ جن کا اجمالی ذکر اس طرح ہے کہ مستشرقین بحیثیت مجموعی بغض و حسد اور اپنی کج فہمی کا اظہار کرتے ہیں۔(۱۶)

وہ بھی ایسی سالانہ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں پھر نہایت دل آزار مقالات پڑھتے اور اسلام پر اپنی من پسند موشگافیاں کرتے ہیں کہ اسلام تو یہودیت و نصرانیت کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ محمد (ﷺ) نعوذ باللہ نبیٔ کاذب تھے اور آپ ﷺ کی تالیف (قرآن پاک) نے دینی فضا کو مکدر کر دیا۔ ان کے ہزاروں ادارے اس قسم کے جگر پاش اور دل سوز مقالات شائع کرتے ہیں لیکن کیا ہمیں دفاع اور ان کی اس ملفوف خباثت کا دنیا کو بتلانے کا بھی حق نہیں؟

ایسی کانفرنس کا خیال ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ کو آیا اگر ہم نے اس مہم جوئی پروپیگنڈے کا جواب نہ دیا تو ہمارے اندر مایوسی پھیل جائے گی۔ اور ایسی کذب وافتراء طرازی کہ اسلام عقل و دانش کا بدترین دشمن ہے۔ اس نے قدیم مغربی، ایرانی، عراقی اور سندھی تہذیبوں کو برباد کیا۔ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ پھر اس نے تہذیبی طور پر قدیم یونان وروم سے سب کچھ لیا اور اب یورپ کا خوشہ چین ہے۔

جناب حبیب الحق کا خیال ہے کہ ہر ایسی کانفرنس منعقد کر کے استشراقی آسیب کو اُتار پھینکیں گے۔ نئی اسکالرشپ کی عمارت کھڑی کرنے سے پہلے ہمیں غلاظت سے جمی ہوئی عمارت کو منہدم کرنا ہوگا تا کہ آئندہ نسل احساسِ کمتری سے نکل کر خود اعتمادی کی پُر بہار فضا میں داخل ہو اور پھر ''اقراء'' کمیونٹی ریسرچ و تحقیق کی حیثیت سے عالم میں نمودار ہو سکے۔(۱۶)

جس چیز پر محترم ڈاکٹر صاحب بہت حساس ہیں اور خصوصی طور پر زور دیتے ہیں، وہ اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔ ''اس طرح کی کانفرنسوں اور شکایت ناموں سے مغرب شدید تر دشمنی دکھانے لگتا ہے۔ جیسا کہ کچھ دنوں سے یہاں نظر آ رہا ہے۔'' ڈاکٹر حبیب الرحمٰن اس بارے لکھتے ہیں کہ یورپ ایسی کانفرنسوں کے بارے میں دشمنی کیوں دکھاتا ہے۔ ان کے ہاں اس پر کہرام کیوں مچ جاتا ہے۔ وہ کس بات پر لرزہ براندام ہوتے ہیں اگر وہ مخلص ہیں اور برصغیر یا مسلمانوں کے ہاں ان کی کسی غلطی کی اصلاح ہو جائے تو اس پر بھڑکنے، چونکنے اور چوری پکڑے جانے پر سراسیمہ کیوں ہوتے ہیں؟(۱۷)

درحقیقت ان کے دل میں چور ہے وہ اس بات سے پریشان ہیں کہ فنی و مواصلاتی ترقی کے دور میں ان کے سحر کا زور اب ٹوٹ رہا ہے۔ کیونکہ جب لوگوں کو مشرق کے لٹریچر کی اشاعت سے آگہی ہوئی تو ان کے کذب وافتراء کا پردہ چاک ہو جائے گا اور ان کے کیمپ میں موجود لوگ بھی جھوٹ کھل جانے پر ان کا کیمپ چھوڑنے پر مجبور ہوں گے۔(۱۸)

مغرب سے استفادے بارے ندوی صاحب کی رائے ہے کہ اہل مغرب بھی مسلمانوں کے دور عروج میں قرطبہ، غرناطہ، بغداد، دمشق، قاہرہ اور قیروان جایا کرتے تھے۔ اور اسلامی اسکالرز کے آگے

زانوئے ادب تہہ کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ایسی کانفرنسوں سے یورپ جانے والوں کو اس خالص علم اور مستشرقین کے چڑھائے ہوئے دلق ملمع میں تمیز و آگہی مل پائے گی کہ خالصیت کیا ہے اور یورپ نے اس میں دغابازی کہاں کہاں کر دی ہے؟

ندوی صاحب کا خیال ہے کہ ایسی کانفرنسوں کے انعقاد سے ہماری کوشش مربع شکل اختیار کرے گی۔ یعنی:

(۱) استعماری افسوں کا مداوا اور اعتزاری نفسیات سے گلوخلاصی

(۲) مستشرقین کے زہر کا علاج

(۳) علومِ اسلامیہ کا احیاء

(۴) اسلام، علوم اسلامیہ، تاریخِ اسلام، عقائدِ اسلام کی تشریح و تفسیر کا حق مستشرقین سے واپس لینا

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: ''ان کے دین اور ان کے دنیا کے متعلق کیا ہم بھی مبالغہ آمیز شکایتیں اور تنقید نہیں کرتے۔''

ندوی صاحب کا خیال ہے کہ ہم ان کی تبلیغی و مشینری سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اسلام پر اعتراضات کا جواب بھی نہ دیں بھلا اسلام کا محض نام لینا بھی جرم ہے؟ پھر دورِ استعمار میں مناظرات کی تاریخ کو بھی مدِ نظر رکھنا ہوگا، ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کا یہ کہنا کہ ''وہ عمومی چیزوں پر اعتراض نہیں کرتے مخلص ہوتے ہیں اپنے علم اور فہم کے مطابق تاثر لیتے ہیں اور بتاتے ہیں گالی گلوچ کے ساتھ نہیں'' حبیب اللہ ندوی کا خیال ہے کہ اگر پندرہ سو سال کی گالی گلوچ کو اکٹھا کیا جائے تو چند جلدوں کی بجائے ایک لائبریری اس کے لیئے درکار ہوگی۔ پھر وہ دیگر ادیان و مذاہب کی بجائے محض اسلام پر ہی کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے لہٰذا عیسائیت کو خصوصی طور پر ڈر رہے کے اگر اسلام روبہ عمل آ گیا تو پھر اس کے لیئے جگہ خالی نہ بچے گی۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر وہ تحقیق شدہ بات پر اعتراض نہیں کرتے تو پھر وہ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیقات و تالیفات پر یقین کیوں نہیں کر لیتے یا کسی دوسرے مسلمان اسکالر کی تحقیقات کو کیوں نہیں مان لیتے درحقیقت یہ تشنج اور عصباتی ہذیان مستشرقین کی وبائی بیماری ہے بھلا وہ کیونکر مانیں گے وہ عملاً اسلامی چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

زبان کا مقابلہ Bernard Lious کی کتاب The Muslim Discovery of Europe میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے اسلام قبول کرنے والوں کے خلاف رکیک زبان استعمال کی ہے۔ یہی کام Dozy نے اپنی کتاب History of Spanish Islam میں کیا جب وہ اسپین میں فروغِ اسلام اور ہسپانوی عیسائیوں کے مشرف بہ اسلام ہونے پر گالی گلوچ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اب وہ اپنے لیے اب مستشرقین کی بجائے Islamists کا لفظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ یہی اب ان کا تخلص ہے۔ آپ نے شاخت کی جو مثال دی ہے کہ اس نے اپنے مقالے میں تبدیلیاں کر لیں تو یہ وہ اصل وجہ ہے کہ ان کی تحقیق

اصل اسلامی مصادر تک نہیں بلکہ وہ مفروضات قائم کر کے اپنی عمارت کھڑی کر کے اس پر رنگ و روغن کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات اصل مصادر کے انکشافات سے گھبرا کر وہ اپنے موقف کو اس لیے بدل دیتے ہیں کہ ان کی اسکالرشپ پر آنچ نہ آجائے۔ حالانکہ دین کو برحق جاننے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ" (۱۹)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ان کی چیزوں کو کھلے دل سے پڑھ کر ان غلط فہمیوں کو خاص علمی انداز میں دور کریں ہو سکے تو ان کا نام بھی نہ لیں زیر بحث مسئلہ کو اس طرح پیش کریں کہ اعتراض خود ہی دور ہو جائے۔ یہ تحمل و بردباری بے حد دشوار کام ہے۔ ایک مثال تو خود ڈاکٹر حمید اللہ کی دی جا سکتی ہے کہ وہ خود اتنا کچھ لکھ چکے تو کیا اس سے مستشرقین کی اسلام دشمنی میں کمی آئی کیا؟ اس سے قبل توضیح اسلام کا کام نہیں ہوا؟ ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش قبل ازیں نہیں ہوئی؟ ان کے اندر سلیم الفطرت لوگوں کی کمی نہیں۔ اپنے عمومی معمولات میں وہ اچھے ہو سکتے ہیں ان کے اندر بہت سی شخصی خوبیاں بھی ہوں گی۔ ایک مثال کیمرج یونیورسٹی کے مڈل ایسٹ سنٹر کے ڈائریکٹر آر۔ پی، سارجنٹ کی ہے جو بڑے چست اور علم دوست انسان ہیں۔ بڑی انکساری اور متانت کے ساتھ ملتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں معاشرتی زندگی میں ایسے انسان مل جائیں گے لیکن خاص استشراق پر لکھنے والوں میں انصاف اور حق بارے تسلیم و رضا کم ہی دیکھنے میں آتی ہے۔

آپ ﷺ کے اسی خط کے جواب میں ماہنامہ معارف کو ایک دوسرا خط بھی موصول ہوا اس میں مکتوب نگار نے اپنا نام صیغہ راز میں رکھا اور تفصیلی طور پر اپنی رائے دی کہ ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے سے اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ کانفرنس شکوہ شکایت کے لیے نہیں ہے بلکہ جوابِ شکوہ اور دفاع اعتراضات و الزامات کے لیے ہے۔ اس زہر کا تریاق کرنے کے لیئے ہے جو ان کی بدولت نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم طبقہ کے دلوں، دماغوں اور ذہنوں میں پھیل رہا ہے۔ غیر مسلموں کی اکثریت کی اسلام دشمنی اور کم از کم بیزاری و بیگانگی مشہور و مسلم ہے۔ ڈیون پورٹ جیسے لوگ درحقیقت اکا دُکا ہیں جو شروع سے آخر تک سچائی سے کام لے کر اپنے معاصر و ماقبل مستشرقین کی دھاندلی و دروغ گوئی پر ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔(۲۰) مغرب میں بسنے والے عام افراد اور ان کی اخلاقی بلندی کا اعتراف ہے۔ لیکن ہماری غرض ان افراد و تنظیموں سے ہے جو کتمانِ حق کرتی اور محض اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرتی ہیں۔ ایسے لٹریچر سے غرض ہے جس میں جھوٹ کی پوٹ اور ان کے دل کے کھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ پھر ایسا لکھنے والوں نے بھی اسلامی علوم سے بہت فائدہ اٹھایا اور اپنے مؤقف پر بھی ڈھٹائی سے قائم رہے۔ بسا اوقات تو مس تولین سنگھ کی طرح جو سکھ ہونے پر شرمندہ ہیں لیکن ساتھ ہی اسلام کو بھی رگیدتے ہوئے اس پر تنقید کرتی چلی جاتی ہیں۔ مستشرقین اپنے مذہب پر تنقید کرتے کرتے اسلام کو مطعون کرتے چلے جاتے ہیں۔ پوپ جان

پال ششم نے یہ تسلیم کیا کہ یہ کام عملاً، ارادتاً اور باضابطہ ہوتا رہا ہے اور اس پر اظہارِ افسوس بھی کیا ہے۔

اگر ان کے ''کاموں'' کو لوگوں تک نہ پہنچایا جائے تو پھر جان دوم سے لے کر دانتے، دانتے سے جاج سیل، سیل سے منٹگمری اور منٹگمری سے جان سیفن تک سے کون واقف ہو یا کیونکر دنیا کی کوئی تاریخ خواہ سیاسی ہو یا مذہبی، ثقافتی ہو یا معاشرتی۔ بے نام ونشان نہ مکمل ہوتی ہے اور نہ مستند ہوتی ہے اور نہ معتبر ہوتی ہے۔ لہٰذا کیچڑ کو صاف کرنا اور آئینے پر پڑی دُھند کو ہٹانا ضروری ہے تا کہ لوگوں کو تصویر صاف اور واضح نظر آئے۔ (۲۱)

ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی خدمات کو دیکھتے ہوئے ان بارے یہ رائے قائم کرنا کہ وہ مستشرقین اور اہلِ مغرب سے دبتے، ڈرتے اور سہمے رہے یا ان میں حق گوئی کا یارا نہ تھا، مشکل کام ہے۔ تسلیم کہ ان کے پاس فرانس کی باقاعدہ شہریت نہیں تھی۔ فرانس کی حکومت کے وظیفہ پر ان کی گزر بسر تھی۔ لیکن یہ ہر گز و مطلق اور قطعی طور پر قابلِ تسلیم نہیں کہ وہ اعراضِ حق کرتے تھے یا کھل کر نہ لکھتے تھے بلکہ یہ ان کی شائستگی، طبعیت کی نرمی اور اپنے کام سے کام رکھنے کو ظاہر کرتی ہے کہ یورپ کے ایسے فضول لکھنے والے کے فضول کام پر زیادہ توجہ نہ دی جائے پاگل کو پاگل کہا جائے تو وہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ چاند پر تھوکنے سے اسے فرق نہیں پڑتا۔ پھر وہ تمام عمر اسلامی علوم کے مختلف پہلوؤں پر لکھتے رہے جو گویا تحقیقی کام تھا۔ جس سے مغرب کے جھوٹ کا پول کھلتا رہا۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے اس کے بڑے واضح ثبوت ملتے ہیں۔

اب تک اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ استشراقی فکر کا پس منظر و پیش منظر کیا ہے اس نے گرگٹ کی طرح کس کس طرح سے رنگ بدلے ہیں اور سادہ لوح مسلمان کو کون کون سے سبز باغ دکھا کر دینِ حنیف سے دور کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ لیکن ڈاکٹر حمید اللہ کی مستشرقین بارے رائے عمومی مستفربین سے ہٹ کر ہے وہ ابلاغی و مواصلاتی، اس اظہار سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ جس کی افادیت چنداں ان کے نزدیک نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ ہمیں اپنے کردار و اعمال اور معاملات و افعال میں وہ اسلامی رنگ لانا چاہیے جس سے متاثر ہو کر مستشرقین اپنی منفی سرگرمیوں سے باز آجائیں اور ان کی معاندانہ سوچ ہماری اچھائیوں کے سامنے ماند پڑ جائے۔ آپ کے معاملے میں یہ رائے قائم کرنا درست نہیں ہے کہ آپ مغرب کی چیرہ دستیوں سے آگاہ نہیں ہیں یا جان بوجھ کر اعراض کے قائل ہیں۔ آپ کی غیور اور حساس طبیعت اپنوں اور غیروں کی چیرہ دستیوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ یورپ کو ان کی زبان میں جواب بھی دیتے ہیں اور بھرپور انداز سے ان کی غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ پھر آپ کا انداز چونکہ تحقیقی اور سچائی پر مبنی ہوتا ہے لہٰذا ان کی اس کوشش کا کہ آپ برسوں کا پھیلا ہوا غلط فہمی کا پردہ ہٹا کر حق کو صاف اور بے باک طریقے سے علمی انداز میں یورپ پر واضح کرتے ہیں۔ یورپ اس کے دفاع میں ادراک اور اعتراف کر کے مزید اس پہلو پر لب کشائی نہیں کرتا۔

اس بناء پر یہ تاثر قائم کرنا چنداں پر مبنی انصاف نہیں ہے کہ آپ فرانس میں قیام کی وجہ سے ان حکومتوں سے دبتے یا ان سے مرعوب ہیں۔ نہیں ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ آپ کی طبیعت کی سلیم الفطرتی اس کا دوسرا پہلو تلاش کرتی ہے کہ عملی طور پر اپنے آپ کو یوں ثابت کیا جائے کہ دیکھنے والا خود بخود متاثر ہو جائے۔ آپ کو سیرت طیبہ کے اس روشن پہلو کو مدِ نظر رکھنا ہے کہ آپ کا مقصد محض بھلائی ہو۔ روشنی کی ایک ایسی کرن آپ سے پھوٹے کہ دوسرے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آپ نے عملی طور پر کتنا کام کیا۔ کیا اتنے لوگوں کو مسلمان کرنا تحریری سرمائے میں اچھوتے اور نایاب موضوعات پر تسلی و تشفی بخش کام کر کے دنیائے مغرب کو روشن کرنا اور مسلمانوں کو اپنے آپ کو مزید بہتر کرنے کی تلقین کرنا کیا کم حیثیت کے حامل ہیں؟ پھر آپ کی تحریروں میں مغرب کے ان گھناؤنے پہلوؤں پر برملا تنقید بھی ملتی ہے جو خلافِ اسلام ہیں۔ لہٰذا آپ پر یہ بے جا تنقید ہے کہ آپ مغرب کی چیرہ دستیوں سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ بس آپ کا انداز دوسرے لوگوں سے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر حکیم محمد سعید لکھتے ہیں۔ ''آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی تعلیمات کو ان کی زبانوں میں متعارف کرایا اس وجہ سے ان کی فکر انگیز اور مؤثر تحریروں کی بدولت وہ لوگ اسلام کے قریب ہوئے۔ ان کے مطالعہ کا نہج بدلا۔ منہاجِ فکر میں تبدیلی آئی۔ اسلام کی عظمت اور اسلامی علوم کے شرف و وقار کا تصور واضح ہوا۔ (۲۲)

وہ اپنی تحریر میں جذباتیت کی بجائے معقولیت اور فکر کی اپیل لاتے ہیں۔ ڈاکٹر صلاح الدین اس بارے میں لکھتے ہیں ڈاکٹر حمید اللہ کی پوری زندگی جرمنی اور فرانس میں گزری۔ لیکن ان کی فکر اور تحریر پر مغربی فکر اور تہذیب کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا اور نہ وہ دیوبند یا ندوہ جیسی کسی دینی درس گاہ کے فاضل استاد کا سا اسلوبِ نگارش رکھتے ہیں۔ جن میں اساسیاتِ دین پر گہرے اعتقاد کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ وہ جدید ترین دنیا کے شہری، اس کے علوم کے شناور اور اس کے انتہائی ترقی یافتہ باشندوں کے مسلمہ استاد ہیں۔ مگر اپنی فکر اور تحریر کے لحاظ سے وہ متقدمین کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی کو چند ہفتوں کے لیئے مغرب کی ہوا لگ جائے تو وہ اپنے دیس میں خود کو اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اسلامی فکر، مغربی تہذیب میں ساٹھ سال کی رہائش کے باوجود ذرا متاثر نہ ہوئی بلکہ اس نے الٹا اہلِ یورپ کو متاثر کیا اور ہزاروں افراد کو اسلام کی آغوش میں داخل کیا۔ مغربی تہذیب علامہ اقبال کی طرح ڈاکٹر حمید اللہ کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکی۔(۲۳) بلکہ آپ نے پیرس کو اپنے لیے بطورِ دار الہجرت اختیار کیا تو یہ حُسنِ انتخاب ان کے حسنِ مذاق کی دلیل ہے اور پھر ان کی علمی خدمات کے پیشِ نظر قابلِ صد داد بھی! تصویر کا ایک رُخ یہ بھی ہے۔

دنیا کے بڑے بڑے مستشرقین داکٹر صاحب کی عزت کرتے تھے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کی داکٹر صاحب دیانت داری اور بہادری سے تبصرہ کرنے والوں میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس بارے میں مجھ سے ایک مرتبہ اپنا یہ ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں۔ روم میں منعقدہ ایک تقریب میں مستشرقین اور

پادری جمع تھے۔ ایک پادری نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا میں سمجھتا تھا کہ آپ روشن خیال عالم دین ہیں لیکن آپ متعصب ہیں آپ کی ٹوپی، داڑھی اور ہر جگہ عربی زبان کی برتری کا جذبہ اس کی مثال ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا میں متعصب نہیں ہوں حقیقتاً تم لوگ متعصب ہو۔ میں تمہارے ہی علماء کی عادت پر عمل کرتا ہوں وہ جہاں جاتے ہیں ہیٹ رکھتے ہیں۔ داڑھی بھی رکھتے ہیں ان میں بہتوں کے ہاتھ میں چھڑی بھی ہوتی ہے۔ پادری جب آپس میں ملتے ہیں تو لاطینی زبان استعمال کرتے ہیں۔ جو نہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان ہے نہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان ہے۔ میں بھی داڑھی رکھتا ہوں اور ہر جگہ چھڑی استعمال کرتا ہوں اور جب علمائے دین سے ملتا ہوں تو قرآن کی زبان بولتا ہوں اور تم سے تمہاری زبان میں گفتگو کرتا ہوں۔ تم میں سے چند ہوں گے جو عربی زبان سے واقف ہوں یا سنتِ ابراہیمیؑ پر عمل کرتے ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میرے اس جواب پر سارے عیسائی علماء لاجواب ہو گئے۔ (۲۴)

بقول ڈاکٹر حمید اللہ کے ''پروردگار عالم کی مہربانی اور فضل سے انہوں نے جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔ کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اب یہ دوسرے لوگوں پر فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور جہاں تک میں نے چھوڑا ہے۔ پیش قدمی کریں۔ ڈاکٹر سلمان ندوی کے مطابق ڈاکٹر حمید اللہ پر لکھنا بھی صدقہ جاریہ ہے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو مستشرقین کے طریقۂ تحقیق پر ایسی ہی قدرت حاصل کر لی تھی جیسے غزالی کو یونانی فلسفے پر۔ لیکن آپ کے ماخذ قرآن و سنت اور مسلمانوں کے معتبر اہلِ علم کی تصانیف تھیں۔ انہوں نے اسلام کو جیسا کہ وہ ہے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ البتہ تحقیق و تصنیف، تلاش و جستجو، نقد و احتساب کے ان تمام ذرائع کو کامیابی اور قدرت کے ساتھ استعمال کیا جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ اس طرح علمی میدان میں اہلِ مغرب کا جو قرض مسلمانوں پر تھا۔ اسے فرض کفایہ کے انداز میں ڈاکٹر صاحب نے ادا کیا اور ساتھ ساتھ وہ کیا جسے انگریزی محاورے میں To Pay in the Sam coin کہا جاتا ہے۔ (۲۵)

ڈاکٹر محمود احمد غازی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ آپ نے مغربی تصورات و خیالات کا ناقدانہ جائزہ لیا پھر اسلامی تعلیم اور اسلامی فقہ میں بین الاقوامی تعلقات اور قانون جنگ اور قانون صلح اس طرح سے مرتب اور مثبت مغربی تصورات سے ہم آہنگ کیا کہ بالکل ایک نئی چیز قوم کے سامنے پیش کی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انہوں نے جس کام کی داغ بیل آج سے ستر سال پہلے ڈالی تھی اس کو آگے بڑھایا جائے۔ اور ان تمام علوم و فنون کا جو آج کی دنیا پر اثر انداز ہو رہے ہیں اس انداز سے جائزہ لیا جائے کہ اس میں کیا چیز اسلام کی تعلیم سے ہم آہنگ ہے اور کیا چیز متعارض۔

آپ نے حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کے بڑے تسلی بخش جواب دیئے کہ آپ ﷺ کے زمانۂ سعید میں حدیث کی تحریر و تسوید اور تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا۔ تابعین کے دور میں اس میں وسعت پیدا ہوئی۔ صحابہ کرامؓ سے یہ پورا ذخیرہ زبانی اور تحریری دونوں انداز سے تابعین کو منتقل ہوا اور اسی

انداز سے تابعین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعد کی نسل تک پہنچایا۔ آج تک کوئی مستشرق یا مستشرقین سے متاثر کوئی مستغرب یہ بات نہیں کہتا کہ علم حدیث کی بنیاد سنی سنائی روایات پر ہے۔ یہ وہ بنیادی کام ہے جو ڈاکٹر حمیداللہ نے علم حدیث کے باب میں کیا۔ جس کے بارے میں مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ علم حدیث کی تاریخ کے ایک انتہائی بنیادی پہلو سے متعلق ہے۔ اس سے ایک اور نئی جہت اور نئی رو کا آغاز ہوا۔ (۲۶)

اشتراقی فکر کے حوالے سے الطاف حسن قریشی رقم طراز ہیں کہ آپ نے فرانس ایسے خطے کو اپنی علمی و فکری کاوشوں کا مرکز بنایا جو اسلام بارے تفصیلات سے ناواقف تھا۔ آپ نے مغربی معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا۔ آج فرانس میں مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ سے زائد ہے اور فرانسی حکومت نے مسلم کونسل کو وہی مرتبہ دیا ہے جو پہلے صرف یہودیوں کی کونسل کو حاصل تھا۔ (۲۷)

الطاف حسن قریشی مزید لکھتے ہیں اسلامی خدمات کے حوالے سے ان کا شمار علماء کے اس گروہ سے ہوتا ہے۔ جس نے برصغیر میں احیائے دین کی عظیم کاوشیں جاری رکھیں۔ ان میں اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبلی، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ اور سید ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ اپنے ہم عصروں میں اس بناء پر ایک امتیازی شان کے مالک ہیں کہ باقی علماء نے اپنے اپنے معاشروں میں اسلام کو ایک فکری اور معاشرتی قوت عطاء کی جبکہ انھوں نے مسلمانوں کو قیمتی روایت اور سند کا ایک بیش بہا خزینہ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ مغرب میں اسلام کے ہمہ گیر تصورات اور تعلیمات کو اُسی کے محاورے اور تہذیبی اسلوب میں بڑے پیمانے پر متعارف کرایا اور اپنے آپ کو سیاسی آلائشوں سے پاک صاف رکھا۔ (۲۸)

ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ آپ کا قلم دشمنانِ اسلام کی علمی خیانتوں اور عیاریوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں آپ کے لیکچرز ہوئے جن میں آپ نے اسلام کے بارے میں جدید ذھنوں میں پیدا ہونے والے شکوک اور غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ تصنیف و تالیف سے ان کا اصل مقصد احقاقِ حق و ابطال باطل، اسلام کا اثبات و اظہار اور مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا جواب تھا اور یہ ان کے لیے اس بناء پر آسان تھا کہ ان کو اسلام کے اصلی مصادر کی طرح یورپین زبانوں سے بھی براہ راست واقفیت تھی۔ وہ مغرب سے ہرگز مرعوب نہ تھے۔ انہوں نے یورپ میں رہ کر اسلام کی جو خدمت کی ہے وہ بڑے بڑے علماء اور ادارے بھی نہیں کر پائے۔ (۲۹)

ساتھ ساتھ ایک تحریر آپ کے اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی بھی ملاحظ فرمائیں ''میں ایک پناہ گزیں ہوں۔ کوئی قومیت پاس نہیں اور یہ بہت آسان ہے کہ مجھے چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا فوراً حکم دیا جائے۔ ان حالات میں سوچتا ہوں کہ کیا کروں۔ آپ بھی سوچئے۔ (۳۰)

ڈاکٹر تحسین فراقی کا خیال ہے کہ اصل میں جس مغربی تعصب کی جانب ڈاکٹر حمیداللہ رحمۃ اللہ علیہ ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں وہ یورپی اہلِ علم کا عمومی شیوہ رہا ہے۔ ڈاکٹر حمیداللہ سے پہلے علامہ اقبال بھی

مغرب کے اس غیر علمی روّیے کے سخت شا کی رہے ہیں۔ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک عالم کے سچے اعتماد کو کام میں لاتے ہوئے اور مغرب سے مرعوب ہوئے بغیر اپنی کتاب ''مسلم کنڈٹ آف سٹیٹ'' میں لکھا ہے مغرب کا نام نہاد جدید انٹرنیشنل لاء بھی کامل اتفاق پر مبنی ضابطوں کا مجموعہ نہیں لہٰذا اُسے بھی قانون بین الممالک کا درجہ دینا مشکل ہے۔یہ اسلام ہی ہے جس نے صحیح معنوں میں قانون بین الممالک کی تشکیل کا حق ادا کیا۔

آپ کے ہم عصر مستشرقین میں لندن یونیورسٹی کے پروفیسر، گب آکسفورڈ کے پروفیسر مارگو لیث، کیمرج کے پروفیسر نکلسن اور لائیڈن کے پروفیسر اشنوک ہورخرونیے آپ کی علمیت وثقاہت کے قائل ہیں۔ان کے مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا اس سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ عیسائیت کا عقیدہ آمنت Creed کے متعلق ہے کہ صلیب پر مرنے اور اِس کے بعد آسمان پر گئے تو خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے۔کوئی شخص اپنے دائیں ہاتھ پر تو نہیں بیٹھ سکتا یعنی خدا الگ اور خدا کے ہاں مدعو الگ۔جب حضرت عیسیٰ علیہ اسلام زمین پر بھی انسان تھے اور عرش پر بھی غیر اللہ تھے تو پھر وہ کب خدا بنیں گے؟

اس پر فیکلٹی آف پرانسمنٹ تھیالوجی نے مجھے شخصاً کہا ''واقعی ہمارے آمنت کے الفاظ کی اصلاح کی ضرورت ہے۔''اسلامی قانون کے رومی قانون سے اخذ کرنے کے رد بارے لکھتے ہیں ''اگر عرب فقہاء نے کسی رومی متداول کتاب کو نمونہ بنایا ہوتا تو وہ نابالغوں اور غلاموں یا ملکیتِ اراضی کے مسائل کو ایسے مختلف ابواب میں ہرگز نہ منتشر کرتے جہاں ان کے پانے کا کوئی یورپی قانون دان کبھی گمان ہی نہیں کرسکتا۔''

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں۔پہلی صدی ہجری میں جب اسلامی قانون شکل گیر ہورہا تھا اسلامی عدالتیں ایسے مقدموں کی سماعت نہیں کرتی تھیں۔پھر اس زمانہ میں مُسلم تو موالی کی حیثیت رکھتے تھے اور عربوں سے کم مرتبہ خیال کیئے جاتے تھے اور اُن کو قضا کے عہدوں پر مامور نہیں کیا جاتا تھا۔لہٰذا ان تاریخی حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ عام ملکی نظم ونسق کے ایک جز کو چھوڑ کر رومی قانون کا اثر اسلامی قانون کے بننے میں قابلِ ذکر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

دوعملی اور منافقانہ پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ محض لیپا پوتی سے مسلمانوں کا ہمدرد بننے والا روس دکھاوے کے لیے چند مسلمانوں کو حج پر بھیج کر اور قاہرہ کے سفارت خانے میں کثرت سے مسلمانوں کو مامور کر کے ان کو تاکید کرنا کہ وہ باقاعدگی سے اسلامی شعائر کی پابندی کریں۔لیکن وہ کیمرج میں مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز حرکات کیوں کرتا ہے؟ پھر سپر پاور ہونے کے ناطے وہ زبانی طور پر ہی اپنے آپ کو مسلمانوں کا حامی ظاہر نہ کرے بلکہ عملی طور پر نظر بھی آئے۔پھر اگر اس کی سرکاری پالیسی کسی مخصوص نظریہ کی ناطر فداری ہے تو اس کو ثابت بھی کرے اور یہ پالیسی عملاً اندرونِ ملک کے مسلمانوں کے ساتھ برتی بھی جائے اور بیرونِ ملک ان حماقتوں کا سدِباب کیا جائے۔جس کا کیمرج میں

مظاہرہ کیا گیا۔

مغربی ممالک کی پالیسوں پر آپ کی نظر کتنی گہری ہے آپ اٹھارہویں موتمر مستشرقین لائڈن کا احوال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دوموسیلو پاسترا ہالینڈ کے وزیر تعلیم نے ولندیزی شرقیات کی تاریخ بارے کہا کہ ہماری مقبوضات میں معاشی مفاد کے ساتھ ساتھ ہالینڈ کی اولین کوشش رہی ہے کہ ان دور دراز ممالک میں عیسائیت کی خوبیوں اور فائدوں کی تبلیغ کی جائے۔ڈاکٹر حمیداللہ کا خیال ہے کہ دیکھئے کس صفائی اور ڈھٹائی کے ساتھ ہالینڈ کو اقرار ہے کہ ان مشرقی لوگوں میں عیسائیت پھیلائی جائے۔وہ گویا حکومتی پالیسی کا بیّن اقرار کررہے ہیں۔جبکہ آج مشرقی قومیں مذہب وسیاست اور مذہب وحکومت کی آمیزش کو اپنی روشن خیالی سے قومی و وطنی خدمت کے لیے ایک بدنما داغ سمجھ رہی ہیں۔یعنی ان کے ہاں مذہبی معاملات حکومت کا حصہ رہتے ہیں اور حکومتی فرائض میں شامل رہا ہے کہ وہ معاشی مفادات کے ساتھ ساتھ مذہبی امور کا بھی خصوصی خیال ولحاظ رکھے۔

استعماریت پر آپ کی نظر کس قدر عمیق ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ مقبوضاتِ استعمار میں ذہنی چالا کی پر گہری نظر رکھتے ہیں اور انگریزوں نے تعلیم کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھی، مقامی صنعت وزراعت اور تجارت کو اپنے قبضہ میں لے کر صرف ملازمت ہی ایک ایسا ذریعہ معاش بچ سکا جس پر لوگ انحصار کرتے۔تعلیم میں سے دینیات کو خارج کردیا گیا پھر مدارس مشنریوں کے سپرد کر دیئے گئے ان میں عیسائیت کی تعلیم لازمی تھی۔یونیورسٹی کے ساتھ بیسوں کالج کھولے گئے تاکہ لوگوں میں انگریزیت رچائی جائے۔ہندو پر اس معاملے میں زیادہ دباؤ نہ تھا کہ یہ تبلیغی مذہب نہیں ہے مسلمان زیادہ زیرِ عتاب تھے کہ کس طرح اس کو اس کے ماضی اور ثقافتی میراث سے کاٹ کر ہمیشہ کے لیئے وفادار رعیت بنایا جائے۔اندلس میں یا تو قتل عام ہوا یا مسلمان جلاوطن کردیئے گئے۔۱۸۳۰ میں ترکی کے صوبے الجزائر پر فرانس نے قبضہ کیا تو گورنر مارشل بیوژدنے کہا ’’مسلمان اور عیسائی دو اس قدر مختلف ذہنیتوں کے مالک ہیں کہ اگر ان میں سے ایک ایک کا سر کاٹ کر کسی دیگ میں ایک سو سال تک ان کو جوش دیا جائے تو بھی دونوں سروں سے دو مختلف قسم کا شوربا نکلتا رہے گا جو ایک دوسرے سے امتزاج نہ پیدا کر سکے گا۔

خلاصۂ بحث کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ علم حدیث کے محقق فاضل، مجدد علوم سیرت، علم وحلم اور اخلاص کا پیکر، عاجزی اور سادگی کی تصویر اور علومِ اسلامیہ کے عالم بے بدل تھے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ آپ کا اپنا ایک منفرد مزاج ہے۔برطانوی استعمار سے نجات کے بعد آزادئ ہند کی ذہنی خوش نما تصوراتی خیال آفرینی آپ کے ذہن میں تھی کہ ہندو عیاری و مکاری نے حیدرآباد دکن پر قبضہ جما لیا اور فرانس کی عیاری و مکاری نے آپ ایسے ماہر قانون دان کی پرخلوص محنت پر پانی پھیر دیا۔یہاں پر آپ کے ذہن نے ایک فیصلہ کیا کہ قلب یورپ میں ہی رہا جائے اور ممکنہ طور پر اس اندھیر نگری میں اسلام کی شمع کو روشن کیا جائے۔یہاں پر آپ کی رہائش کی ایک مخصوص عارضی حیثیت تھی۔

آپ کے پاس توبہ شکن انداز میں ایسے مواقع اور التجائیں آئیں کہ آپ فرانس کے علاوہ بھارت، پاکستان، ترکی، اور سعودی عرب میں جہاں چاہیں اپنی شرائط پر (پاکستان میں آپ کو اپنی طبیعت کے مطابق کام کرنے کے مواقع نہ ملے اور فرانس چلے گئے) قیام کی پیش کشیں ہوئیں لیکن آپ نے فرانس ہی میں رہائش اختیار کیے رکھی۔ آپ کے ذہنی کمال اور علمی عروج کے ساتھ ساتھ آپ کی سکونتی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے آپ بارے شرقیاتی سوچ پر اظہارِ خیال اس قدر آسان کام نہیں ہے جس آسانی کے ساتھ بعض حضرات ان پر رائے زنی کر دیتے ہیں۔ جس کمال جرأت سے آپ نے محفوظ طور پر مغربی استعمار پر اظہارِ خیال فرمایا اور جس ذاتی طرزِ عمل سے خوبصورت نمونہ مستشرقین پر قائم فرمایا وہ صرف اور صرف آپ کا ہی طرہ ہوسکتا ہے۔ آپ نے جس قدر دقیق اور قابلِ اعتناء علمی تحقیق کی اور پھر غیروں نے اعترافِ حق بھی کیا۔ اس پر شکوک وشبہات کیسے کیئے جاسکتے ہیں۔ آپ جس علمی معراج پر تشریف فرما تھے وہ تو اقبال رحمۃ اللہ کا بھی محاکمہ کرتے ہیں کہ انہیں ظاہر دار علمائے دین یا دنیا دار صوفیاء پر طعن وطنز کی بجائے ان سے بہتر عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا آپ پر تنقید آپ کے علمی پایہ کا عالم کرسکتا ہے محض جوشِ جذبات میں آپ ایسی شخصیت بارے رائے دینا سورج کو چراغ دکھانے کے مصداق ہے۔ استشراق بارے کانفرنس بارے بھی آپ کی سوچ کے اثبات اور عمر بھر معتدل مزاج عملی خیال کے طور پر اظہار اس کا برملہ ثبوت ہیں کہ آپ تنقید سے آگے جا کر ان کا محاکمہ کرتے ہیں۔ ان کی غلطیوں کی اصلاح کر کے ان کو اعترافِ حق پر مجبور کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی رائے کو ان کے علمی مقام اور ان کے عملی کام کو مدِنظر رکھ کر دیکھا جائے تو اس پر شک کی گنجائش نہیں بنتی۔

حوالہ جات

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، سیّد مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش، کراچی: مجلس نشریات، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱

۲۔ السباعی، مصطفیٰ، ڈاکٹر، معارف، اعظم گڑھ، بھارت، ۱۹۸۳، ص ۷

۳۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مُدعا اور طریقِ کار، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۰۵، ص ۸

4. Hitti, K. Philip, Islam and the west, 1960, Smith, London, P, 147.

5. Gibbon, Decline and Fall of Muslim Empire, 1971, V-I Narqat, London, P-216

6. Qureshi, Zafar Ali, Prophet of Islam and his western critics, 1992, Idara Ma, arife Islami Mansoora, Lahore, P-1-2

7. Maxsom Rodinson, Marxism and the Muslim world, 1972, Paris, France, P-12.

۸۔ شبلی، محمد صدیق خان، ڈاکٹر، سیرتِ طیبہ، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۷۸

۹۔ حم السجدہ ۲۶

۱۰۔ ابوالحسن، ندوی، مذکور

۱۱۔ ایضاً، صفحہ ۲۵۸

12. Jamila Maryam, Islam and Orientalisn, 1971, Maktaba Islamia, Lahore, P-60-65

۱۳۔ اصلاحی، ضیاء الدین، آہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحلت فرما گئے، ماہنامہ، معارف اعظم گڑھ بھارت، مارچ ۲۰۰۳ء ص ۳۷

۱۳۔ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، ج 1، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۳۹۸

۱۴۔ ہراوی، حسین محمد، المستشرقون والاسلام، المجلس الاعلیٰ للبشون قاہرہ، ۱۹۶۵ء، ص ۳۰

۱۵۔ ندوی، حبیب الحق، سید، ''معارف'' اعظم گڑھ، بھارت، ۱۹۸۳ء، ص ۶۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۲

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۲۰۔ الانعام، ۲۰

۲۱۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۰۳، ص ۳۷، آہ فاضل گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحلت فرما گئے۔ ضیاء الدین اصلاحی روزنامہ اسلام۔ کراچی، ۷ فروری، ۲۰۰۳ء

۲۲۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، ڈاکٹر حمید اللہ حیات، خدمات، مکتوبات، ص ۴۰۹

۲۳۔ مکتوب بنام اور عبدالرحمٰن مومن، ص ۶۶۳

۲۴۔ مختار الحق، محمد عالم، رومی قانون اور اسلامی قانون کے تعلقات پر چند ملاحظات، نگارشاتِ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۳، ص ۴۹۸

۲۵۔ خورشید احمد، پروفیسر، ڈاکٹر حمید اللہ ترکش مارا خدنگ آخریں، ماہنامہ افکارِ معلم، لاہور، جنوری ۲۰۰۳، ص ۲۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۲۷۔ معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۵۳ء، ص ۴۹

۲۸۔ معارف اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۳، مکتوب نگار: نامعلوم، ص ۱۳۲

۲۹۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیات، خدمات۔ مکتوبات مرتبہ محمد راشد شیخ، ملیر ہالٹ، کراچی، ۲۰۱۴، ص ۳۰۴

۳۰۔ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، جنوری ۲۰۰۳، ص ۱۳۷